ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.2(2023)
(July to September)

اَدب میں تنقید کی اہمیت اور نقاد کی ضرورت کا فکری تجزیہ

An intellectual analysis of the importance of criticism in literature and the need for a critic

ڈاکٹر عبدالستار نیازی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

حافظ محمد ثاقب نیاز

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، بہاول پور

ڈاکٹر طاہر عباس طیب

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr.Abdul Sattar Niazi

Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot,Sialkot

Hafiz Muhammad Saqib Niz

Doctoral Candidate, Department of Urdu, The Islamia University of Bhawalpur, Bhawalpur

Dr.Tahir Abbas Tayib

Assistant Professor, Department Of Urdu, GC Women University, Sialkot

Abstract:

Criticism in literature is the name of Khair Kal in search of deep understandings. For which light comes from study. Criticism has made its own rules at the present time. While the new generation has brought revolutionary changes in their minds, which have been distilled from ancient literature. Access to new insights is now essential for readers. In this context, Hali's method of criticism proved to be very useful and articles were published in magazines and journals after this critical discussion started. In which new aspects of European criticism came out in the principle of criticism, which also affected Urdu literature. Which included information on the meanings of criticism, the position of the critic, its need and basic conditions.

Keywords: Criticism, new generation, revolutionary, critical discussion, Hali's method, information.

دنیا کی تمام زبانوں کا ادب نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ ایک حصے کو نثری اور دوسرے کو شعری ادب کہا گیا ہے۔ نثری ادب میں انسانی زندگی کی ترجمانی داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما سے ہوتی ہے۔ جبکہ شعری ادب میں غزل اور نظم دونوں شامل ہیں۔ ان دونو ں کے بارے میں لکھا جانے والا ادب تخلیقی ادب کہلاتا ہے۔ جسے تنقید کہا گیا ہے۔ تنقید کا کام فیصلہ لگا کر پانی کو دودھ سے الگ کرنا ہے

۔ چنانچہ تنقید وضاحت، صراحت، ترجمانی، تفسیر، تشریح، تحلیل اور تجزیے کا نام ہے۔ تنقید ادب کی قدر متعین کرتی ہے اور اسے نئے پیمانے دے کر انصاف کرنے کا حکم صادر کرتی ہے۔ جو جھوٹ اور سچ کا امتیاز کرتی ہے۔ تنقید تمام ادوار کی اچھائی اور برائی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تنقید ادب میں نئے نظریے وضع کر کے بت شکنی اور کبھی بت گری بھی کرتی ہے۔ ادب تنقید کے بغیر گھنا جنگل ہے جس میں خودرُو پودوں کی کثرت سے دور دور تک موزونیت نظر نہیں آتی۔

ادب میں تنقید کی اہمیت مسلمہ ہے جو ابلاغی مفہوم میں انسان کو مسرت سے ہمکنار کرتی ہے۔ ہر ادبی تخلیق ابہام میں لپٹی ہوتی ہے۔ قارئین اسے اُتارنے سے قاصر ہیں۔ نقاد اس کا ابہام ختم کرتا ہے تاکہ قارئین اس کے ادبی حسن سے مستفید ہو سکیں۔ تنقید قاری سے سوال کرتی ہے کہ تخلیق سے مسرت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ ماہرین ادب کے نزدیک ادب کا نعم البدل ادب ہی ہے ۔ کوئی دوسری چیز ان کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قاری کو مطالعے سے ادبی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ جو دیناوی مسرتوں سے مختلف ہے۔ تنقید ادب کے جمالیاتی فاصلے کو کم کر کے علمی رشتہ جوڑنے کا سبب ہے۔ ادب کو بامعنی سرگرمی کہا گیا ہے۔ دنیا میں تخلیقی ادب پہلے اور تنقیدی ادب بعد میں آیا ہے۔ لہٰذا تخلیقی ادب کو اوّلین اور تنقیدی ادب کو ثانوی اہمیت حاصل ہے۔ تخلیقی فن کار اول اور ناقد دوسرے درجے کا فنکار ہے۔ کبھی کبھار تخلیقی فن کار دوسرے اور اور ناقد پہلے درجے پر فائز ہو جاتا ہے لیکن اعلیٰ تخلیقی ادب کے مقابلے میں بہترین تنقیدی ادب ثانوی ہی کہلائے گا۔ دنیا کا بہترین تخلیقی ادب تمام ادوار میں تر و تازہ اور شگفتہ رہتا ہے، جب کہ تنقیدی ادب کی توانائی گزرتے لمحات کے ساتھ مدھم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ادبِ عالیہ سے ہی تنقیدی نظریے اور فلسفے وجود میں آتے ہیں۔ کوئی نظریہ ایسا نہیں جس کی اہمیت ہر دور میں قائم رہے۔ تنقید میں اچھی اور بری نظم کی پہچان کی جاتی ہے؟ کہ ادب میں اس کا کیا مقام ہے؟۔ چنانچہ تنقید کے فرائض میں ادب کی درجہ بندی اور مقام و مرتبے کا تعین بھی شامل ہے۔ بقول خاطر غزنوی:

> ”کسی ادب پارے میں زندگی کی اقدار کا پتا لگانے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس تصنیف کے کیا محرکات ہیں؟ اور ادیب نے اس موضوع کو کیوں منتخب کیا ہے؟ ۔۔۔۔ نقاد کا معاشرے کے مختلف پہلوؤں یعنی تمدنی حالات، معاشیات، سیاسیات، تاریخ، فلسفہ اور نفسیات سے واقف ہونا چاہیے۔“(۱)

ادبی تنقید میں تحریر کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے کہ مجموعی طور پر کلام کیسا ہے؟۔ نقاد کی ادب فہمی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ تنقید شعر کی قدر و قیمت تعین کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔ نقاد قدیم اور جدید ادب کے فرق، معیاری اور غیر معیاری ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ تاہم ناقدین نے جدید ادب اور شعراء کو پہچاننے میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ انھوں نے اہم کو غیر اہم اور معروف کو غیر معروف کہا ہے۔ ہر زمانے کا ادب معاصرانہ مزاج و معیار پر جانچا جاتا ہے اور عصری تناظر کے مزاج و معیار کے مطابق اسے اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی زمانے میں نظیر اکبر آبادی کو بالکل نظر انداز کیا گیا۔ پھر انیسویں صدی میں نظیر اکبر آبادی کو اردو کے پانچ بڑے شعراء میں شمار کر لیا گیا۔ کسی زمانے میں غالبؔ کے مقابلے میں ذوقؔ کا نام لینا بد ذوقی کی علامت ٹھہرا۔ آج وہی غالب اردو زباں کی آبرو ہے اور اس کے کلام کی پے در پے نقل ہو رہی ہے۔ تنقید شاعروں اور ادیبوں کے سروں پر اہمیت کا تاج رکھتی ہے اور کبھی اتارتی بھی ہے۔ لہٰذا تنقید کے فیصلے ناقابلِ اعتبار ٹھہرتے ہیں۔ تخلیقی ادب کے افکار و خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ اس تاریخی صورتِ حال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تنقید نگار اتنی اہمیت کیوں رکھتا ہے، جتنا ایک فنکار؟ بقول ظہیر احمد صدیقی:

"سائنٹفک نقطہ نظر تنقید ایک ہمہ گیر نقطہ نظر ہے اور ادبی مطالعے کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا۔"(۲)

ادب کے بغیر زندگی سمجھ میں نہیں آتی اور تنقید کے بغیر ادب سمجھا نہیں جاسکتا۔ شعراء اور ادبا زندگی کے احساس پہلوؤں کو گرفت میں لے کر فیصلے کرتے رہے۔ جبکہ تنقید تخلیق نگاروں کی ذہانت، نکتہ رسی، باریکیوں اور عرق ریزیوں کو شعوری دائرے میں لاتی ہے۔ چنانچہ ادب آنکھ کی مانند ہے۔ ادیب اسی کے ذریعے دیکھ کر زندگی کی تعبیر کرتا ہے۔ لہٰذا ادب کا کام تعبیرِ زندگی ہے۔ تنقید تعبیروں کو خوبصورتی کا راستہ دکھاتی ہے۔ کلاسیکل شعرا، ڈراما نگاروں، ناول نویسوں اور افسانہ نگاروں نے بعد از مطالعہ بتایا کہ زندگی کیا ہے؟ اسے کتنے زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے؟ ادب کیا ہے؟ زندگی کی ترجمانی کیسے کی جاتی ہے؟ کن لفظوں سے حقیت کو زیر کیا جاسکتا ہے۔؟ شاعر، ادیب فن کا حق کیسے ادا کرتے ہیں؟۔ چناچہ ادب زندگی کا ایکسرے ہے تو تنقید اس کی عکس ریز ہے۔ ہمارے ہاں اچھے ناقدین کا فقدان رہا ہے۔ انھوں نے قارئین کو اچھے اور برے ادب کی پہچان نہیں کرائی اور خود بھی اعلیٰ ادب کی تمیز کرنے سے قاصر ہیں۔ انھوں نے اپنی تنقید میں اخلاقی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں کی نشاندہی نہیں کی جو معاشرتی بہتری کا سبب بنی ہو۔ ناقدین کی اکثریت جانبداری کے مرض میں مبتلا ہے اور ہوس زر میں کتابوں کے دیباچے، فلیپ اور پیش لفظ لکھے جارہے ہیں۔ آج کا نقاد سماجی مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب زندگی حقائق تک رسائی ناممکن ہوتی جارہی ہے۔ اسلامی زاویے سے دیکھا جائے تو ہمارے ہاں کئی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ جنھیں اسلامی عہد میں سراہا گیا۔ ہمارے ناقدین نے اپنی تنقید میں سائنسی اُصولوں سے کم استفادہ کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"نقاد علمی اندازِ نظر اپنا کر سائنس داں جیسی غیر جانب داری سے کام لیتے ہوے، ذاتی پسند وناپسند اور نجی تعصّبات سے ماورا ہو کر تخلیق کی چھان پھٹک کرتا ہوں "سائنٹفک تنقید" کہلاتی ہے۔"(۳)

تنقید تخلیقی اصناف کی اچھائیوں اور برائیوں کے جانچنے سے منظر عام پر آئی ہے۔ ابتداء میں ادبی تخلیقی اصناف پر تنقید ہوئی تھی۔ افلاطون نے شاعری پر اعتراض کیا تو ان کے شاگرد رشید ارسطو نے شاعری کا دفاع کیا۔ ان کے شاعری پر دفاع سے ادب میں تنقید کا سلسلہ شروع ہوا۔ لہٰذا تنقید تخلیقی اصناف پر تبصرے کا نام نہیں بلکہ خود تنقید پر تنقید کا نام ہے۔ بعض اوقات ذہن میں سوال اُٹھتا ہے کہ تنقید بذات خود کیا ہے؟ اور تنقید کسے کہتے ہیں؟ تنقید کے لغوی معنی جانچنے اور شعراء کی علمی وادبی تخلیقات کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا نام ہے۔ تنقید علم وادب میں مختلف فرائض سرانجام دیتی ہے۔ تنقید کلام کے محاسن و معائب، اچھے، برے اور شعراء کے مقام کا تعین کرتی ہے۔ نقاد کے لئے تینوں فرائض کا نبھانا مشکل ہیں۔ عام قاری علم وادب کے محاسن و معائب کی نشاندہی نہیں کرپاتے کہ کلام میں کون سی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ قاری کا شعری محاسن و معائب کو جاننے، پہچاننے کے لیے زبان کے قواعد، علمِ بدیع، علم بیان، علمِ عروض اور دیگر علوم کا جاننا ضروری ہے، جن میں فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، تاریخ اور تصوف وغیرہ شامل ہیں۔ قاری وسیع علم ہونے پر نثری وشعری خوبیوں اور خامیوں کا تجزیہ کرکے مسرت حاصل کرسکے گا۔ کیونکہ سارے علوم انسانی ترقی میں معدو معاون ہیں۔ بقول ڈاکٹر آغا سہیل:

"تنقید کے تمام منہاج اور خطوط متعین ہیں۔ وہ انسانی اور کائنات کے باہمی ارتقائی ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور انھیں سے کائنات کی ترقی اور انسان کا ارتقا وابستہ ہے۔"(۴)

تنقید میں کوئی فیصلہ حتمی اور ابدی نہیں ہوتا۔ کونسا شعر وادب وقتی اہمیت کا حامل ہے؟ اور کس میں زندہ رہنے کی رمق ہے؟۔ شاعر وادیب کے علمی وادبی مقام کے تعین میں صدیاں گزر جاتی ہیں۔ شیکسپیئر کو شیکسپیئر بننے میں کم و بیش چار سو سال اور غالب کی عظمت کو پہنچاننے میں سوا سو سال لگے۔ تاہم تنقیدی فیصلوں میں غلطیوں کا امکان رہتا ہے۔ تنقید ساری لغزشوں کے باوجود صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔ کم و بیش سب ہی فنکار آفاقی نہیں ہوتے۔ جبکہ ناقد شاعروں اور ادیبوں کے نظریہ فن پر روشنی ڈالتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ کیونکہ ان کی تخلیقات اعلیٰ بصیرت کا حامل ہوتی ہے۔ ایسا احساس تخلیقی اور تنقیدی مطالعے سے پیدا ہوتا ہے ادیب اور شاعر کا تنقیدی شعور جتنا بلند ہوگا اس کا شعر وادب دوسروں سے اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ شاعر تھے ۔لیکن اعلیٰ درجے کا تنقیدی شعور بھی رکھتے تھے۔ اسی لئے صفحہ اول کے شعراء کہلائے۔

برطانوی نقاد ایف۔ آر۔ لیوس اور آئیورونٹرز (Yvor Winters) عصرِ حاضر کے اخلاقی ناقد ہے۔ ان کے تخلیق کردہ ادب میں اخلاقی اقدار پائی جاتی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے ادب میں اخلاقی اقدار کا معیار کیسا ہونا چاہیے؟۔ تاہم ادب میں اخلاقی اقدار پر زور دینے کے معنی وعظ و نصیحت نہیں بلکہ انسان کی حیاتیاتی جدوجہد میں اخلاقی کشمکش کے کردار کا مطالعہ ہے۔ تنقید کے ابتدائی نقوش تذکروں میں نظر آتے ہیں ۔جہاں شعراء کے کلام پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جاتے۔ اردو میں تنقید حالیؔ سے شروع ہوتی ہے۔ سرسید کے زیرِ اثر شعر وادب میں اخلاقی اقدار کا آغاز ہوا۔ اس دور میں ادب کا مقصد برائے زندگی ٹھہرا۔ اسی کے زیر اثر ادب کو معاشرتی اور قومی اقدار کا ذریعہ بنایا گیا۔ سرسید نے قومی اصلاح کے لیے علی گڑھ تحریک شروع کی۔ جس کا مقصد ادب کے ذریعے معاشرتی اصلاح تھی۔ ان کے ساتھیوں میں حالیؔ، شبلی اور نذیر احمد نمایاں تھے۔ ان کا مقصد وسیع ترین معنوں میں اخلاقی تھا۔ حالیؔ نے "مقدمہ شعر و شاعری" میں اخلاقی شاعری پر زور دیا۔ اس نے شعر وادب پر معاشرتی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے دوبارہ غور کرنے کی ترغیب دی۔

اردو ادب میں حالیؔ سے لے کر عصر حاضر تک چند تنقید نگار نظر آتے ہیں۔ جن میں اخلاقی تنقید کی نمائندگی کم کم نظر آتی ہے۔ رشید احمد صدیقی پہلے نقاد تھے جنھوں نے انفرادی سطح پر اخلاقی تنقید کی نمائندگی کی۔ ان کا تنقیدی نقطہ نظر جمالیاتی اور اخلاقی تھا ۔اردو ادب میں ترقی پسند تنقید نگار ۱۹۳۶ء کے بعد آئے جو مارکسی ناقد کی بجائے اخلاقی تنقید نگار کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ جن میں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین، ممتاز حسین، سجاد ظہیر اور سردار جعفری شامل۔ جو ادبی ہیئت کی بجائے متن پر بحث کرتے ہیں۔ ان کے ادبی رویے کو اخلاقی کہا جاسکتا ہے۔ جن کی اخلاقیات حالیؔ کی اخلاقیات سے قدرے مختلف ہے۔ ترقی پسندوں کے تصورِ حیات میں معاشی نظام کو فوقیت ہے۔ ان کے نزدیک زندگی کے سارے پہلو معیشت سے جڑے ہوئے ہیں۔ تہذیبی اور اخلاقی قدریں معاشی نظام پر اُستوار ہوتی ہیں۔ جیسا معاشی ڈھانچہ ہوگا ویسی ہی تہذیبی اور اخلاقی اقدار ہوں گی۔ قیام پاکستان کے بعد اخلاقی تنقید کی مثال حسن عسکری ہیں اور ان کی تنقید پڑھنے والوں کو چونکا دیتی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر شروع میں جمالیاتی تھا۔ بعد ازاں ان کی اخلاقی تنقید میں وسعت نظر پیدا ہوتی چلی گئی۔ وہ ادب کو انسانی زندگی کا ترجمان سمجھتے ہیں۔ وہ آخری دور میں مابعد الطبیعیاتی تناظر میں ادب کو پرکھنے لگے۔ ان کے اہم مضامین "وقت کی راگنی" اور "انسان اور آدمی" میں شامل ہیں ۔جو ان

کے ادبی اور اخلاقی رویے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ تنقید لکھتے ہوئے توازن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ شمس الرحمن فاروقی اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "حالیؔ نے شاعری، ادب، زندگی، اخلاق، سماج غزل اور نظم کے متعلق اصولی سوال کئے۔ انہوں نے شاعری کا ایک معیار متعین کرنا چاہا۔ وہ مغرب سے بھی متاثر ہوئے۔ اگرچہ ان کا معیار خالص مغربی نہ تھا۔ اس میں انھوں نے فن کا بھی لحاظ رکھا مگر فطرت کو ہاتھ سے جانے نہیں دی"۔(۵)

ادب میں تنقید گہرے مفاہیم کی تلاش میں خیر کل کا نام ہے۔ جس کے لیے روشنی مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ وقت میں تنقید اپنے قوانین بنا چکی ہے۔ جبکہ نئی نسل اپنی زہن میں انقلابی تبدیلیاں لا چکی ہے۔ جو قدیم ادب سے کشید کی گئی ہیں۔ اب قارئین کے لئے نئی بصیرتوں تک رسائی ضروری ہے۔ اس ضمن میں حالیؔ کا طریقہ تنقید بہت مفید ثابت ہوا اور اس پر تنقیدی بحث شروع ہوئی تو رسائل و جرائد میں تیزی سے مضامین شائع ہوئے۔ جن میں اصولِ تنقید میں یورپی تنقید کے نئے پہلو سامنے آئے۔ جس سے اردو ادب بھی متاثر ہوا۔ جن میں تنقید کے معانی، نقاد کا عہدہ، اس کی ضرورت اور بنیادی شرائط کی معلومات شامل تھیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تنقیدی اُصول و قواعد کی از سرِ نو تشریح کی جائے کہ تنقید کیا ہے؟ اس کی شعر و ادب میں کیا اہمیت ہے؟ اور ادب کو اس کی کیوں ضرورت ہے؟

تنقید ہر لمحہ زندگی سے مکالمہ جاری رکھتے ہوئے خود کو معاشرتی تبدیلیوں کے مطابق ڈھالتی ہے۔ تنقید کی بقا اسی میں ہے کیوں کہ تخلیقی عمل زندگی کو ساتھ لے کر چلتا ہے اور غیر محسوس انداز میں ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں کے اثرات کو قبول کرتا ہے۔ لہذا تنقید بھی تخلیق کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ تنقید ہی علم و ادب کا دروازہ کھولتی ہے۔ تنقید ابھی تک ادب کی گرہ کشائی میں کامیاب رہی ہے تاہم معاصرِ ادب کے چند پہلو اب بھی اس کی گرفت سے باہر ہیں۔ تنقید کے لیے لازم ہے کہ اپنا تخلیقی سفر ادبی رفتار کے ساتھ آگے بڑھائے۔ تنقید کے لیے ایسا کرنا دشوار نہیں۔ کیونکہ تنقید تخلیق کی وجدانی لہروں کو اپنے اندر منعکس کرتی ہے۔ لہذا اس کی وجدانی پہنچ سے تخلیق بچ نہیں سکتی۔ تاہم اس کی وجدانی رفتار تخلیق کے مقابلے میں کم ہے۔ تنقید ہی ادب کی چھان پھٹک کر کے اسے خوب سے خوب تر بناتی ہے۔ آل احمد سرور کے نزدیک:

> "تنقید قدریں متعین کرتی ہے، ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے، تنقید انصاف کرتی ہے، ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، پست اور بلند کے معنی قائم کرتی ہے۔۔۔ تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے جس میں پیداوار کی کثرت ہے موزونیت اور قرینے کا پتا بھی نہیں"۔(۶)

اردو ادب تنقید سے خالی تھا کیوں کہ تنقید کو ثانوی ادب کہا جاتا ہے اور قارئین کا تنقید کے بارے عمومی رویہ بھی اچھا نہیں تھا۔ ان کے نزدیک بعد از مطالعہ متن، اشعار، افتتاحی الفاظ اور خلاصہ کو تشریح و تعبیر کی ذیل میں کچھ لکھنے کا نام تنقید ہے۔ علامہ شبلیؔ نے اپنی کتاب "موازنہ انیس و دبیر" طویل اقتباسات نقل کئے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت کا تعین ایک دو بند سے نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ

ناقدین اقبال نے اشعار کی ذیل میں اپنے تاثرات کم بیان کئے ہیں۔ ان کے نزدیک تنقید یہی ہے۔ لہذا شاعری کا انتخاب تنقید کی ذیل میں نہیں آتا۔ تاہم انتخاب میں بھی تنقیدی شعور ہوتا ہے۔ جبکہ شعرا کے انتخاب میں اپنی پسند کم اور شاعر کی پسند زیادہ نظر آتی ہے ۔ قارئین تنقید کی ذیل میں متن کی بہتات سے بے زاری محسوس کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر غور کریں کہ تنقید ہوا میں معلق نہیں ہوتی۔ جن کو اس سے بدگمانی ہے۔ انھیں چاہیے کہ ادب کا غائرانہ مطالعہ کر کے اپنی رائے بدلیں۔ وہ تنقید میں ادبی لطافت تلاش کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تخلیقی کلام کے واسطے تنقید اتنی ہی ضروری ہے جتنی سانس۔؟ تخلیقی ادب تنقید کے سہارے زندہ رہتا ہے۔ یہی اسے آفاقیت کی راہ پر چلاتا ہے۔ تنقید کے بارے میں بدگمانی اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جو مختلف کتابوں پر تبصروں، دیباچوں، مقدموں اور تعارفوں میں شائع ہوتی ہے۔ جس میں تنقید کا علیحدہ ہی رنگ نظر آتا ہے اور ہر رنگ جدا ہے۔ بقول پروفیسر آل احمد سرور:

> "تنقید تخلیقی ادب سے بے نیاز نہیں دونوں کے درمیان کوئی خلیج نہیں ہے۔ تخلیقی ادب میں تنقیدی شعور کی کارفرمائی ہوتی ہے، تنقید اس کو واضح کر دیتی ہے۔۔۔ اس کا تخلیق کے بنیادی خیال تک پہنچنا ضروری ہے، یہ تخلیق پر عمل جراحی بھی کرتی ہے مگر یہ عمل شاعرانہ طور پر ہوتا ہے اور اسی فضا کے اندر رونما ہوتا ہے۔ "(۷)

قارئین کے نزدیک تخلیقی شعر و ادب زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ تنقید تخلیق کی ترجمانی، تحلیل اور تجزیے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ نقاد خود شاعر نہیں ہوتا۔ لہذا اس کی رائے شاعری پر حتمی قرار نہیں پاتی۔ یوسف حسین نے اقبال کی شاعری کے فکر و فن پر "روح اقبال" لکھ کر کلامِ اقبال کی ترجمانی کی۔ بعض ناقدین نے روحِ اقبال پر تنقید لکھ کر ان کے فکر و فن سے اختلاف کیا پھر کسی نے اس تعبیر سے اختلاف کیا۔ زمانہ قدیم میں کتب کے آخر میں دی گئی کتابی معلومات سے کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی تھی۔ جن میں بہت سی چیزیں غیر ضروری بھی تھیں۔ آج ان کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے۔ اس پر محدود نظر والے اعتراض کرتے تھے۔ اس میں ذاتی، شخصی اور داخلی تنقید کا امکان ہوتا ہے ۔ زمانہ قدیم میں شعراء ادبا اپنی تخلیق میں صنف کا تعارف کراتے اور قدر و قیمت متعین کرنے میں دلائل سے کام لیتے ہوئے قول فیصل پیش کرتے۔ جن میں اہم تنقیدی خصوصیات کا تذکرہ ہوتا۔ ہمیں مقدموں، دیباچوں اور پیش لفظ میں ناقدانہ بصیرت سے زیادہ جانب داری کا عنصر ملتا ہے۔ جن میں کچھ باتیں گمراہ کن بھی نظر آتی ہیں ۔ ناقدین نے ایسی تحریروں کو یک رخی تنقید کا نام دیا ہے۔ جو زیادہ مضر رساں نہیں تھی۔ جبکہ جامعیت کا دعویٰ کرنے والوں کی تنقید گمراہ کن مرحلے میں داخل ہو جاتی۔ جس کا شمار داخلی تنقید میں تھا۔ ہمیں مشرق و مغرب میں تنقید کا یہی فریبی پہلو نظر آتا ہے۔ لہذا داخلی تنقید ناقص اور نامکمل ہے۔ جو اپنی علیحدہ قدر و قیمت رکھتے ہوئے بڑی تنقید کا درجہ حاصل نہیں کر سکی۔ لہذا اعلیٰ تنقید تخلیقی ادب سے کم نہیں۔ بلکہ تخلیق کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے۔

قارئین کے نزدیک جو نقاد شاعر نہیں۔ وہ دوسروں کے کلام پر کیسے رائے دے سکتا ہے۔ جس نے خود ناول نہیں لکھا ۔ اسے ناول کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ تنقید کے ضمن میں اس قسم کے سوال غلط فہمی پر ہے۔ مولوی عبد الحق شاعر نہیں تھے۔ لیکن اچھے نقاد ہیں۔ جگر اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں مگر اچھے ناقد نہیں۔ شاعری کے لئے شیریں دیوانگی اور نقاد کے لیے حد درجہ

سنجیدگی ضروری ہے۔ آرنلڈ اسے (High Seriousnes) کہتا ہے۔ بعض اوقات دونوں چیزیں کسی ہی شخص میں جمع ہو سکتی ہیں۔ شاعر چونکہ پختہ شعور رکھتا ہے اس کا یہی فنی شعور شعر و ادب کی قدر و قیمت متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کسی ایک شعبے کی صلاحیت بڑھنے سے دوسرے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ غزل گو شعراء ابھی تک نظم کی تعمیری صلاحیتوں کی قدر و قیمت کا تعین نہیں کر پائے کیونکہ رمز و ایمائیت اور کنایوں میں بات کرنے والے نظم کے اندرونی حسن کا تجزیہ نہیں کر سکے۔ لہٰذا تخلیق میں جس قدر گہرائی اور سپردگی ہو گی ہے، وہی تنقید اعلیٰ درجے پر فائز ہو جائے گی۔

تخلیق کار کی شخصیت دو حصوں میں بٹی ہوتی ہے۔ وہ ایک حصے میں تکلیف اُٹھاتا ہے تو دوسرے حصے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ شعرا اد بادونوں صورتوں کا شکار ہوتے ہیں تاہم شاعر اچھا نقاد بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم شاعر کا سخن فہم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ نقاد کا شعر کی روح تک پہنچنا ضروری ہے۔ تاہم شاعر کے کلام میں ہمدردی، لچک اور ہمہ گیری کا ہونا ضروری ہے تاکہ نقاد شاعر کی شعری فضا سے کو دور سے دیکھ سکے۔ تخلیق کار تجربوں کو جنم دیتا ہے تو نقاد فنکار کو اعلیٰ تخلیق کار بناتا ہے۔ نقاد کا تخلیقی ذہن عموماً دوسروں سے بہتر ہوتا ہے۔ شعر و ادب میں سخن فہمی رکھنے والا عام لوگوں سے بہتر تنقیدی شعور رکھتا ہے۔ تنقید اپنا مواد زندگی سے لیتی ہے اس میں تخلیقی رنگ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لئے تنقیدی رنگ اپنے اندر وجدانی مہک رکھتا ہے۔ لہٰذا خوبصورت تنقید اعلیٰ تخلیق سے کم نہیں ہوتی۔ کلیم الدین احمد اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "تنقید کوئی کھیل نہیں ہے جسے ہر شخص بہ آسانی کھیل سکے۔ یہ ایک فن ہے، ایک صناعی ہے، فن تو ہر طرح کے ہوتے ہیں، مشکل بھی اور آسان بھی، تنقید مشکل ترین فن ہے۔ ہر فن کی طرح اس کے بھی اصول و ضوابط اور اغراض و مقاصد ہیں۔" (۸)

تنقید کو دوسرے درجے کی چیز سمجھنا حماقت ہے۔ اچھی تنقید معلومات اور زندگی کی تعبیر اسی طرح کرتی ہے۔ جیسے مؤرخ، ماہر نفسیات، تخلیق کار، فنکار شاعر، مصور، بت تراش اور پیغمبر کرتا ہے۔ وہ ذہن کو روشنی عطا کرتا ہے۔ نقاد اسی بصیرت میں لکھتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی سے تخلیقی جوہر میں کمی ہوتی ہے۔ بعض اوقات شاعر اخلاقی ذہن کا مالک ہوتا ہے مگر اس کی تخلیق تہی مغز اور مبہم ہوتی ہے۔ ہمارا جدید شعر و ادب قدیم ادب کے مقابلے میں زیادہ تنوع رکھتا ہے مگر ابہام سے پر ہے۔ ہمارے پرانے ادب میں دل چسپی اور ادبی حسن نظر آتا ہے۔ جبکہ جدید ادب سنسنی پھیلا کر قاری کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرتا ہے۔ جدید ادب میں ذہن کی جگہ جذبہ زیادہ ہے۔ جبکہ قدیم ذہن میں روشنی کم ہے جس پر دھندلکا اور ابہام کا پردہ چڑھا ہوا ہے اور تنقیدی جائزے الجھن میں لپٹے ہوئے ہیں۔ تاہم کچھ لوگ فکر اور جذبے کی ہم آہنگی کو شاعری سمجھتے ہیں۔ ایسا جذبہ ذوق سلیم کی تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "تنقید ادب کی تقویم و تشریح کا نام ہے۔ لیکن کیا تنقید ادب کی پراسراریت کو پوری طرح گرفت میں لینے میں کامیاب ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے؟ غالباً نہیں، وجہ یہی کہ پراسراریت، خدوخال اور حدود سے ماورا ہے۔ اگر اس کو خدوخال عطا کر دیئے جائیں یا اس کی حدود کا تعین ہو جائے تو پراسراریت از خود ختم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اس لیے تنقید صرف ایک حد تک ہی ادب کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔" (۹)

انسان حسن کاری سے متاثر ہے اور تمام افراد کا ذوق رچا ہوا اور مہذب نہیں ہوتا۔ ان کی ذہنی نشوونما بھی پختہ نہیں ہوتی۔ بعض کو غمِ دوراں میں تعلیم و تربیت کا موقع نہیں ملتا۔ وہ ادب میں تن آسانی ڈھونڈتے ہیں اور کچھ اقبال کے ابلیس "سوز و ساز اور آرزو و جستجو" میں زندگی کی جستجو کرتے ہیں۔ کچھ ادب کے ذریعہ آلام و روزگار کی فکر کرتے ہیں۔ کچھ لوگ غمِ روزگار کی کشمکش میں امکاناتِ زندگی ڈھونڈتے ہیں۔ بعض ادباء کے کارناموں سے مسرت حاصل کرتے ہی۔ جو تحسین کا رنگ لیے ہوئے ادبی کارنامے پر رعب جماتی ہو۔ جس کے گمراہ کن ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ تاہم نفیس لوگ ہی ادبی حظ اُٹھاتے ہیں۔ لہٰذا تنقید میں نئی دریافت اور سچ کو سمونا اور جھوٹ کی نشاندہی ضروری ہے۔ نقاد سچ کا لباس پہن کر قارئین کے سامنے آئے تو اس کی رائے میں وزن ہوتا ہے۔ چنانچہ ادب کا سوائے تنقید کے چارہ نہیں۔ تنقید خود ادب کے لئے مشعل راہ ہے۔ نقاد اس بات کا پابند ہے کہ ادب کے پوشیدہ پہلوؤں پر روشنی ڈال کر سوال اُٹھائے کہ ادب زندگی کے لیے کیوں ضروری ہے؟ اردو ادب میں مشرق و مغرب کے سینکڑوں نظریوں کے پس منظر میں تنقید کے نئے رجحان اُبھرے ہیں۔ ناقد ادب کا جج ہے کچھ جج فیصلے اور کچھ تجزیے کرتے ہیں کچھ ترجمانی کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔ بعض غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ اب ادب میں غیر جانبداری کا عنصر قریب قریب مشکل ہے۔ تنقید تصویر کے دونوں رخ دکھاتی ہے۔ نقاد زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں کے احاطہ کے بعد تخلیق کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔

تنقید کے دائرہ کار کو دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے کو نظری اور دوسرے کو عملی تنقید کا نام دیتے ہیں ۔ نظری تنقید میں ادب سے متعلق تمام ضروری مباحث اٹھائے جاتے ہیں اور اس حصے میں اصول و قواعد کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن کی مدد سے تخلیق کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ تنقید سمجھنے کے لیے دیگر علوم سے مدد لیتی ہے۔ وہ تخلیق کو حسن، خیر اور صداقت کے معیار پر دیکھتی ہے۔ شاعر اور ادیب کا مقصد ادب کے پس منظر میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی پر ادبی فیصلے کا انحصار ہے۔ چنانچہ ادب سازی کے عملی غور و فکر کو نظری تنقید کہتے ہیں۔ تنقید دوسرے حصے میں پہلے سے قائم شدہ معیار پر ادیب اور ادب کو پرکھتی ہے، جو اصولوں سے متعلق ہے۔ ادب کو اصولوں کی روشنی میں جانچنا عملی تنقید ہے۔ چنانچہ عملی تنقید، نظری تنقید علاقائی اور عالمی معیار کے تناظر میں جانچنے، پرکھنے اور تجزیے کے کام آتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا نظری تنقید؟ عملی تنقید سے ماورا کیسے ہے تاہم عملی تنقید تمام پہلوؤں میں نظری تنقید کی محتاج ہے۔ آل احمد سرور اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "تنقید کا ایک عمل اصولوں پر تنقید ہے اور دوسرا عمل ان اصولوں کی روشنی میں ادب پاروں کی تنقید کرنا ہے جسے عملی تنقید بھی کہا جاسکتا ہے دونوں کے لیے تنقید کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے لیکن دونوں الگ الگ عمل ہیں۔"(۱۰)

نقاد دوران تنقید ماضی کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے خود ماضی کا حصہ بن جائے۔ اچھا نقاد ماضی سے رشتہ نہیں توڑتا۔ جدید تنقید میں یہی سقم ہے۔ جو واقعات کو مسخ کر کے پیش کرتی ہے ۔ ہمارے ادب میں ماضی پرستی کا چلن رہا ہے ۔ ہمارے تخلیق کار نئی تخلیق کی جگہ رسمی مضامین اور جدید بیانیہ کی بجائے روایتی اسلوب سے کام ہیں اور ادب کے بجائے فن پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ہم جلاپے کی ضد میں قدیم ادب کی اہمیت سے انکاری ہیں۔ ہم ماضی کے ادبی کارناموں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نئی چیزوں کی ڈفلی بجا رہے ہیں۔ ہمارے جدید ناقدین کی تنقید میں تاریخی شعور کا ارتقا اور ماضی کا احساس کم کم نظر آتا ہے۔ اب تنقید کو کلاسیکل اور رومانیت کے دائرے سے باہر نکلنا چاہیے۔ ہمارے ناقدین شعراء اور ادبا کی تخلیقات کو اپنے پیش روؤں سے الگ کر کے تجزیہ کر رہے ہیں۔ جو کسی حد تک ٹھیک ہے۔ انھیں اس پہلو کو بھی دیکھنا چاہیے کہ ان کی تخلیقات ادبی سرمائے کی

امین، روایت کے آئینہ دار اور تنقیدی مزاج کی کہاں تک مظہر ہیں اور شعر و ادب میں دکھایا جانے والا تہذیب و تمدن کیسا اور کتنا قابلِ عمل ہے۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ادبی پس منظر میں ہونا چاہئے۔ اقبالؔ کی نظم "شمع و شاعر" اور "بال جبریل" کی غزلوں میں جدید خیالات مانوس اور عہدِ جدید کے مطابق ہیں۔ اقبال کی فکر کلاسیکیت سے بے پرواہ نہیں۔ وہ بادہ و ساغر کے پردہ میں مشاہدہ حق کے خوگر ہیں۔ مشاہدہ حق سے مراد شعور زندگی ہے۔ ہماری شاعری میں جدیدیت حالیؔ سے شروع ہو کر اقبال پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ دونوں جدیدیت میں ایک نئی روایت قائم کرتے ہیں۔ جو جبر سے زیادہ اختیاری اور توسیع علم کی علامتیں ہے۔ اردو شعر و ادب میں حالیؔ، اقبالؔ، بجنوری اور عظمت اللہ زیادہ اہم ہیں کہ انھوں نے آزاد ہوتے ہوئے بھی ماضی سے رشتہ نہیں توڑتے۔

کلیم الدین منفرد نقاد ہیں ان کی تنقید دوسروں سے منفرد ہے۔ وہ اپنی تنقید میں خیال آفریں باتیں کرتے ہیں اور قدیم سرمائے سے بیزار ہیں۔ ان کے ہاں تاریخی و ادبی شعور کا تسلسل نمایاں نہیں۔ وہ گلستانِ تنقید میں کانٹوں کو تلاش کرتے ہیں پھولوں کو نہیں؟ معلوم ہونا چاہیے کہ ماضی کا احساس الگ اور ماضی کی پابندی دو الگ چیزیں ہے۔ نقاد روایات کے احترام کا پابند ہے، وہ لکیر کا فقیر نہیں ۔ تاہم بیسویں صدی کے جدید ذہن کو سترہویں صدی میں لے جانا حماقت ہے اگر نقاد ایسا کرے تو اپنے مقام سے گر جائے گا۔ جب کہ نقاد کو ماضی کے ادبی دھندلکے میں ادبی تسلسل کا جلوہ نظر آتا ہے اور نقاد نئے پن اور نئی اپج سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں آزاد شاعری کی کیا ضرورت ہے؟ کیا نظم کافی نہیں؟ خود نظم کی ہیت میں اس کا جواب ہے اور غزل میں کیا برائی ہے؟۔ شاعر جو کہنا چاہتا ہے وہ سب کچھ غزل میں سمو دیتا ہے۔ حسن جب دائروں میں نمودار ہوتا ہے چنانچہ اڑی، ترچھی اور سیدھی لکیروں کا کیا جواز ہے؟ مصور ذہن کو سینکڑوں کاغذوں پر منتقل کر سکتا ہے ۔ پھر الفاظ کی دروبست اور موزونیت کا ایک ہی سانچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ خیال کے لئے ضروری ہے کہ وہ قافیہ کی تنگنائے غزل سے نکل کر نئے رنگ و بو میں جلوہ گر ہو۔ شاعر کے خیال کو حقیقت تک پہنچنے میں کئی مصرعوں، گھاٹیوں اور گہرے پانیو ں سے گزرنا پڑتا ہے۔ حالیؔ نے کہا تھا کہ شاعری کے لئے قافیہ و ردیف ضروری نہیں۔ اب لوگ شاعری کے مانوس سانچوں سے گریزاں ہیں اور شاعر تجربہ حسن کو کسی ایک تک محدود رکھنا نہیں چاہتا۔ جبکہ تجربہ ہی قاری کے ذہن کو وسیع کر کے اسے ادبی حسن سے آگاہ کرتا ہے۔ لہٰذا ادب میں تجربے ضروری ہیں اور تجربوں کو نئے فارم میں ظاہر ہونا ضروی ہے۔ ادب میں نئے موضوعات، نئے تصورات اور نئے عنوانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا نقاد قدامت کے ساتھ نئے پن کا بھی تڑکا لگانے پر مجبور ہے۔ تاکہ اس کی خواہش مرنے نہ پائے۔ بقول آل احمد سرور:

> "تنقید تخلیق پر عرفِ عام میں عمل جراحی بھی کرتی ہے مگر یہ عمل شاعرانہ طور پر ہوتا ہے اور تخلیقی عمل کے اندر رونما ہوتا ہے۔"(۱۱)

ہمارے ہاں لفظی تنقید کا بھی چلن ہے۔ الفاظ کے اندر شعور فن اور حیات و کائنات کا احساس ہوتا ہے۔ نقاد کے لئے عروض اور قواعد کا جاننا بھی ضروری ہے ۔ نقاد ادب اور زبان کا نباض ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا عروض، روزمرہ اور محاورے سے واقفیت ضروری ہے۔ قارئین دوران مطالعہ کلاسیکی فن پاروں کے نمونوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور نثری فن پاروں میں قاضی عبدالغفار، رابندر ناتھ ٹیگور اور بیدی کی انشائے لطیف تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ شاعری میں بیدلؔ، رومیؔ، شیرازی، میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کی شعریت اور

اخلاص کو تلاش کرتے ہیں۔ جو انھیں کہیں نظر نہیں آتی۔ شاعری سے مراد فن کی بہار ہے۔ بعض اوقات قاری دوران مطالعہ مصنف کی اندھی محبت میں گرفتار ہو کر پوجا شروع کر دیتا ہے۔ تاہم نقاد اور پجاری دو الگ الگ مخلوق ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نقاد پجاری، محتسب اور کوتوال نہیں ہوتا۔ اس دور کی شاعری پر اعتراض ہے کہ اس میں تلخی کیوں ہے؟ اس کا دامن مسکراہٹ اور امید سے کیوں خالی ہے؟ تخلیق کار جنسی بھوک کا شکار کیوں ہیں،؟ یہ روتے کیوں ہیں؟ اور ہنسنے سے کیوں گریزاں ہیں؟ ان کی کلبیت وجہ کیا ہے؟ قارئین اس دور کے مخصوص مسائل کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں؟۔ زمانہ قدیم میں سردار آپس میں لڑتے سپائیوں کی شکست پر فیصلہ ہو جاتا۔ اس زمانے میں سب لوگوں کا کام جنگ کرنا نہ تھا، وہ فطرت کی خوبصورتیوں سے بھی استفادہ کر کے خوش ہوتے۔ کچھ لوگ چاندنی، سبزے، حسن اور عورت سے مستفید ہوتے، کچھ ہل جوت کر پرکھوں کا بوجھ اُتارتے اور عامیانہ زندگی بسر کر کے دنیا سے منہ موڑ جاتے۔ اب لڑائی کے پیمانے بدل گئے، امن میں سب کی صلح ہوتی ہے۔ چرچل نے دوسری جنگ عظیم میں انگلستان کو بچایا۔ عوام نے صلح ہونے پر اسے تاریخ سے باہر کیا۔ اسی جنگ نے ثابت کیا کہ تمام خوابوں کو حقیقی میں بدلا جاسکتا ہے اور جھونپڑا شیش محل میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ جنگ نے تعمیر و تخریب کے پیمانے بدل دیئے جن کے اثرات ادب پر نمودار ہوئے۔ نقاد سماجی حالات اور ادب سے الگ رہ کر زندگی نہیں رہتا۔

ناقد تنقید میں تمام شعرا کو الگ الگ تجزیہ کر کے ان کا مقام متعین کرتا ہے۔ نقاد قنطویت کا علمبردار نہیں اور نہ رجائیت کا پیغمبر ہے۔ وہ ادب کا صوفی ہے جو حقائقِ دنیا کے سانچے میں ادب کو پرکھتا ہے۔ تاہم اسے دنیادار کہہ سکتے ہیں۔ وہ تنقید میں شعرا اور ادبا کے ذاتی حالات واقعات کا تذکرہ کر کے قدر و قیمت کا تعین اور وضاحت کرتا ہے کہ ماحول نے تخلیقی کارناموں کیوں اور کیسے متاثر کیا؟۔ فن شعر و اس کی شخصیت میں کیسے چھپ چھپ ظاہر ہوا اور فن کن کن راستے عبور کر کے سانچوں میں ڈھلتا ہے اس کی خبر صرف نقاد کو ہوتی ہے۔ جدید تنقید نے قارئین نے کو خارجیت، واقعیت، سماجی شعور اور تمدنی تنقید سے متعارف کرایا، اس نے جز سے کل کے احساسات کی مصوری کی ہے اور جذبات کی پرچھائیوں کو فکری روشنی سے نوازا۔ جدید ادب اسی فکری روشنی کی تلاش میں تھا۔ جو تنقید کے بغیر ناممکن تھا۔

تنقید سیاست کی غلامی نہیں کرتی اور اسے سیاست کا ساتھ نہیں چلنا چاہیے تاہم رفاقت بری نہیں۔ نفسیات بھی تنقید ہی کا ایک شعبہ ہے۔ تنقیدی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ تاہم اس کی دلدل میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ نفسیات کا علم پیچ در پیچ ہے۔ وہ اس آئینے کی مانند ہے جو چیزوں کو چھوٹا، بڑا، چپٹا، لمبوترا اور پہاڑ کی مانند دکھاتا ہے جو ایک گرہ کھولتا ہے تو دوسرے لمحے سینکڑوں ڈالتا ہے۔ نفسیاتی تنقید ہلدی کی مانند ہے جو کچھ پا کر پنساری کے مرتبے پر فائز ہو گئی۔ اس نے چند سائنسی حربے استعمال کر کے خود کے سائنس کا دعویٰ کر دیا۔ مگر اس مقام پر فائز نہیں ہو سکتی۔ جس کے لئے بڑے ادراک کی ضرورت ہے جو اس کے پاس نہیں۔ نفسیاتی تنقید کے چند حربے سمندر کو کوزے میں بند کرنے دعویٰ کرتے ہیں۔

نقاد پختہ شعور رکھتا ہے۔ وہ شعرا ء ادبا کے وہی عمل کرتا ہے جو ماہر ابدان جسم کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ قدروں کو بلندی سے دکھا کر تشہیر کرتا ہے۔ اس کی تبلیغ دوسروں سے موثر اور کسی حد تک آفاقی ہوتی ہے۔ عمومی طور لوگ تنقید سے گھبراتے ہیں۔ وہ تنقید کا مفہوم سمجھ لیں تو ان کا خوف دور ہو سکتا ہے۔ وہ تنقید کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ تنقید کا مفہوم چھان پھٹک کر کے پرکھنے کے معانی میں ہیں۔ اس کے کئی دبستان ہیں اور ہر نقاد اپنے نقطہ نظر سے ان کی تشریح کرتا ہے۔ تنقید فن پارے تک محدود نہیں ہوتی؟ بلکہ اس کا اطلاق سوسائٹی اور تھیوری پر ہوتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں کسے اولیت ہے۔ پہلے ادب تخلیق

ہوتا ہے پھر اس پر تنقید ہوتی ہے لہٰذا تنقید کا کام فن پارے کے اچھائیوں اور برائیوں کا پتہ لگا کر ان کا مرتبہ متعین کرنا ہے اور وہ کس طرح ادب میں معاونت کرتی ہے یہی پہلو تنقید کے دائرہ کار کو وسیع کرتا ہے، جو شعر و ادب کی پیوستگی کی نئی جہات کو سامنے لاتا ہے۔ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے لکھا ہے:

> ''تنقید اور تخلیق دونوں ایک دوسرے کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں۔دونوں میں کسے اولیت حاصل ہے ادب کی تاریخ کا جائزہ لیں تو دونوں صلاحیتیں ایک دوسرے کے فروغ کے لیے ممد و معاون ہیں۔''(۱۲)

شیفتہؔ اپنے دور کے اچھے نقاد تھے ان کا تذکرہ ''گلشن بے خار'' اعلیٰ تنقیدی شاہکار ہے۔انھوں نے نظیرؔ کو نظر انداز کر دیا جبکہ ان کی اہمیت کا اعتراف ضروری تھا۔ ان کی تنقید میں نیا پن محسوس ہوتا ہے۔تاہم تنقید میں توازن کا ہونا ضروری ہے انھیں تنقیدی شعور میں حالیؔ پر فوقیت ہے ۔عظمت اللہ خاں نے غزل کا تنقیدی جائزے میں کہا کہ ''غزل کی گردن بے تکلف مار دینی چاہئے۔'' تنقید میں جذباتیت سے گریز ضروری ہے۔جنھوں نے اپنا ذہنی توازن قائم رکھا اور جو آفاقی ذہن رکھتے ہیں۔تنقید کے لفظ پرکھ میں تعارف ترجمانی اور فیصلہ سب ہی کچھ آجاتا ہے جبکہ پرکھ معیار اور کسوٹی کو کہتے ہیں۔ ہر نقاد کے ذہن میں پرکھنے، تولنے، ترجمانی اور تجزیہ کا معیار ہوتا ہے۔نقاد اپنا فیصلہ منوانے کے درپے نہیں رہتا۔وہ آمر نہیں ہے۔اسے ادبی معاملات میں زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔اچھا نقاد جھٹ سے فیصلہ صادر نہیں کرتا۔وہ وضاحت کرے قارئین خود ہی کسی صحیح نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ ''

نقاد ادبی سیاح اور علمی دنیا کا کولمبس ہے۔جو قارئین کو ان دیکھی فضا میں لے جاتا ہے۔اس نے باطنی طور پر شعر و ادب کا حسن دریافت کیا ہے۔اس نے اپنے طور پر ذہنی سفر طے کیا ہے۔اس نے شاعر و ادیب کی فکر کی اپنی زباں میں ترجمانی کا فریضہ سر انجام دیا ہے۔ نقاد کو فرائض ترجمانی کے لئے خارجیت سے مدد لینی چاہیے اور اس کی بنیاد اخلاق پر ہونی چاہیے۔ مصنف نقاد کو اپنی ترجمانی کا موقع دیتا ہے کہ وہ خالق کی آواز بن جائے اور اسی کے قلم سے لکھے۔ نقاد کو چاہیے کہ تھوڑی دیر کے لئے شاعر یا ادیب کو اپنے اندر سما جانے دے۔ نقاد کو انصاف سے کام لینا چاہیے۔سائنس ہمیں خارجیت کو شاعری میں سمونے پر اُکساتی ہے۔ نقاد کو سائنسی اصولوں سے مدد لے کر اپنے فیصلوں کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔اسے بعض اوقات ''ہونا چاہیے'' کی جگہ ''ہے'' کو پس پشت ڈالنا پڑے گا۔اسے پل صراط سے گزرنے کے بعد حق حاصل ہو گا کہ وہ ''چاہیے'' جانے پر بھی زور دے۔ ناقد نے بتایا کہ عصمت چغتائی کی کہانیوں میں جنسی میلان نہیں بلکہ جنسی کج روی ہے، ان کی کہانیاں جسم کی پکار ہیں۔ان کا اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ''دوزخی'' بے مثل حقیقت نگاری کا عمدہ شاہکار ہے جس میں کچھ عنصر مریض (Morbid) کے ملتے ہیں۔ نقاد معلم اخلاق مبصر، پارکھ اور ادبی دنیا کا جج ہوتا ہے۔ تاہم تنقید میں ولولے اور جوش سے کام لیا جاسکتا ہے۔شعراء ادبا پر جوشیلے لفظ جذباتی تنقید کے زمرے میں آ کر تخلیق کار کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔ تنقید میں جذبے کو مہذب احساس ملنا ضروری ہے۔اچھی تنقید محض تخریب ہی نہیں ہوتی۔وہ خوبیوں، خامیوں اور مصنف کی کمزوریوں کا تجزیہ کرنے کے علاوہ بلندیوں کا بھی سراغ لگاتی ہے کہ ادب میں بلندیاں کیسی آئیں ہیں اور اس میں پستی کیسے ہے؟

عہدِ حاضر میں تنقید ادب پاروں میں پوشیدہ حیرت انگیز جلوؤں اور ان کی پستی کے احساس تک پہنچتی ہے۔جو میرؔ کے اشعار میں امرد پرستی کے مزاج اور لاشعور کی ادھیڑ بن میں کھو نہیں جاتی۔ بلکہ اشعار کی بلندیوں کو بھی دیکھتی ہے۔ نقاد اگر شاعر ہے تو شاعری پر تنقید ارفعیت کی بلندیوں کی طرف سفر کرتی ہے۔ جبکہ معمولی نقاد شاعر کی لفظی بازی میں الجھا رہتا ہے۔ خواص و عوام نقاد

کی رائے کو حتمی سمجھتے ہیں ہیں۔ وہ اس کے تمام فیصلوں کو من و عن تسلیم کرتے ہیں اور تصویر کے دونوں رخ دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے۔ ادبی پارکھ بننے کے لئے ضبط و نظم، ریاض اور زہن رسا ہونا ضروری ہے۔ جبکہ اردو تنقید میں مبلغ اور نقیب تو زیادہ ہیں۔ جبکہ ادبی پارکھ اور مبصر آٹے میں نمک کی طرح خال خال ہیں۔

عہد جدید میں تنقید مخصوص دائرے میں مقید نہیں۔ اب اس کے قوانین میں روز افزوں ارتقاء کا عمل جاری و ساری ہے۔ کیونکہ ہر ناقد کا اپنا تنقیدی شعور رکھتا ہے وہ اسی تناظر میں ادب پارے کو دیکھتا ہیں۔ جو پچھلے اُصول و قواعد قائم کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اور ہر نیا فن پارہ نئے تنقیدی شعور پر اصرار کرتا ہے جبکہ نئی نسل قدیم معیارِ تنقید پر سمجھوتہ نہیں کرتی۔ لہذا نئی تخلیقات کو قدیم تنقیدی اُصولوں پر جانچنا زیادتی کے مترادف ہے۔ آج کا تنقیدی معیار قدرے بہتر ہے۔ تاہم زمانی تغیرات نے اسے خوب سنوارا ہے۔ بلکہ بہت سے تنقیدی دبستان معرض وجود میں آچکے ہیں۔ جو تنقید کے لچک دار رویے اور ہمہ گیر وسعت پر دلالت کرتے ہیں۔ جو تنقید کے زندہ رہنے کی پیشن گوئی کر چکے ہیں۔ اب اس کی اختتامی سرحدوں تک کا نہیں پہنچا جا سکتا۔

تنقید فنکار کے تخلیق کردہ شعر و ادب کا تجزیہ کرنے اور آزادانہ قدر و قیمت متعین کرنے کا نام ہے۔ تخلیق کار کے ادب پارے کی جانچ پرکھ کر کے اچھائی اور برائی کی نشاندہی کی گئی ہو۔ تاکہ ادیب یا شاعر لفظوں کی کاٹ چھانٹ کر اسے بہتر کر کے پیش کر سکے۔ تاکہ اس کے ادب پارے حسن پیدا ہو جائے۔ جو قارئین میں ذوقِ سلیم پیدا کرنے کا سبب ہو۔ تنقید ادب کی نشو و نما کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ تخلیق کار اسی ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔ قارئین بھی شعر و ادب کو اسی تناظر میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ہم تنقید کو علمی و ادبی پودوں کی کھاد اور پانی کہہ سکتے ہیں ان کی طاقت سے قوت نامیہ پیدا ہوتی ہیں جس کے زیر اثر شعر و ادب پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے۔ الغرض تنقید ادب کی پرداخت کے لئے سیڑھی کی مانند ہے جس کے توسط شعراء کے دیوان فلک تک پہنچتے ہیں۔ نقاد کے نہ ہوتے غالب دریافت نہ ہوتا، قارئین شہرت عام بقائے دوام سے واقف نہ ہوتے، لوگ بجنوری سے غافل ہوتے، میر مہدی مجروع کا نام نہ ہوتا۔ سرسید گوشہ گمنامی میں ابدی نیند سو رہا ہوتا۔ اقبال، اقبال نہ ہوتا، شبلی مولوی شبلی ہوتا، قوم کے پاس حالی کی "مسدس" نہ ہوتی۔ آخر میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تنقید اور ادب دونوں مل کر زندگی کی مثبت قدروں کو فروغ دیتے ہیں۔ جہالت کو مٹاتے ہیں۔ خیر و شر کے تصادم میں خیر کو اُجاگر کرتے ہیں۔ تنقید تخلیق کار کے ان لمحوں کو گرفت میں لیتی ہے جب شاعر تخلیق کر رہا تھا، جو تیز رفتار تہذیبی تغیرات کے مثبت اور منفی قدروں کے امتیازات کو مٹاتے ہیں۔ جن سے انسانی زندگی خیر و شر کے مابین معلق ہو جاتی ہے شاعر کے لئے یہی لمحہ باعث تخلیق ہے۔ تخلیق کی تفہیم کے مراحل اصل روح کے ساتھ اس وقت طے ہوتے ہیں۔ تنقید ہماری مشعل راہ اور رہنما ہو۔ انسانی روپ کے دونوں بیانیے خوب تر کی تلاش میں ہماری معاونت کریں۔ جب متغیر زندگی کے نشیب و فراز سے ہمیں استحکام بخشتے ہوں۔ جس کے لئے انسان کو اشرف المخلوق کہا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر، جدید اردو ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۸۳

۲۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، تنقید و تحقیق ادبیات، مجلس تحقیق و تالیف فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۲ء، ص: ۵۴۱

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۶۹

۴۔ آغا سہیل، ڈاکٹر، ادب اور عصری حسیّت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء،، ص: ۱۹

۵۔ شمس الرحمن فاروقی، تعبیر کی شرح، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص:۶۹
۶۔ آل احمد سرور، تنقیدی اشارے، ادارہ فروغ اُردو، لکھنو، ۱۹۵۵ء، ص:۶۷
۷۔ عبد المالک، ڈاکٹر، کلیم الدین احمد کی ادبی خدمات، رام جے پال کالج، چھپرہ، سن ندارد، ص:۲۱۸
۸۔ کلیم الدین احمد، "اردو تنقید پر ایک نظر"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۱۶
۹۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، کراچی، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص:۱۸
۱۰۔ آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص:۳۰
۱۱۔ ایضاً ص:۵۶
۱۲۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص:۷

References in Roman Script:

1. Mohammad Hussan, Dr, Jadeed Urdu Adab,Lahore, Sang-e-Meel Publication,1975,P:83
2. Zahir Ahmed Siddiqui , Dr, Tanqeed-o-Tehqeeq Adbiyat,Lahore, Majlis Tehqeeq-o-Taleef farsi,GC University,2002,P: 541
3.Saleem Akhtar , Dr, Tanqeedi Dabistan,Lahore, Sang-e-Meel Publication,, 1997,P: 259
4. Agha Sohail ,Dr, Adab Aur Asri Hasiat,Lahore, Maktaba Alia,1991 , P: 19
5. Shams Al Rehman Farooqi , Tabeer Ki Sharah,Karachi, Akadmi bazyaft,2004,P: 59
6. Aal Ahmed Suroor, Tanqeedi Isharay,Lackhnov Idaara Farogh Urdu,1955, P: 76
7. Abdul Malik, Dr, Kaleem Ud Din Ahmed Ki Adbi Khidmaat,, Chapra Raam Jay Paal Colleg, P: 218
8. Klaim Aldeen Ahmed , Urdu Tanqeed Par Aik Nazar, Lahore, Sang-e-Meel Publication,1998,P :16
9. Wazeer Agha, Dr, Tanqeed aur Jadeed Urdu Uanqeed, Karachi, Anjuman Tarraqqi Urdu,1989,P:18
10.Aal Ahmed Suroor, Tanqeed Kya Hai, Lahore, Sang-e-Meel Publication,1968, P :30
11. Ibid: 56
12. Sajjad Baqar Rizvi,Dr, Maghrib Ki Tanqeedi Usool,Islamabad, Muqtadra Qaumi Zabaan,2002,P : 7